*ڈاکٹر ہادی بخش چھجن

**ڈاکٹر شہزاد چنا

پاکستان میں انسانی خدمات: ضرورت، نوعیت اور مسائل

Human Services in Pakistan: Needs, Nature and Issues

Abstract:
Introduction:
One of the meanings of Islam is security which shows that Islam wants security for all humanity. Therefore in Islam all people are called family of Allah Almighty and it is said that your grandfather is one Adam (peace be upon him). Therefore, dividing into communities and nations is for introduction only.
That is, a community and a nation has no superiority over another nation, but the superiority is based on piety only. Islamic teachings show that Islam is a religion of advice. The meaning of advice is goodness. So every Muslim should do work of piety for all the humanity.
As far as problems are concerned, there are different kinds of problems in our society. First of all, it is wise to understand and comprehend the problems, then try to solve them according to your own resources.
The question arises, how do we benefit? We can benefit both individually and collectively. If we look at our environment and its surroundings or neighborhood, we will see many problems of human beings. The second collective form may be that we prepare our government and influential people or draw their attention to the fact that these are some of the issues so you work for the betterment of humanity and the success of your hereafter.
So keep working regardless of the outcome because the outcome is related to destiny and we do not know what the coming days and conditions will be like but we have the responsibility according to our ability to make such plans with dedication and hard work.

تمہید:

اسلام کے ایک معنی سلامتی کے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام تمام انسانیت کے لیے سلامتی چاہتا ہے۔اس لیے اسلام میں تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا خاندان کہا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ تمہارا دادا سب کا ایک آدم علیہ السلام ہے۔ لہٰذا برادریوں اور قوموں میں تقسیم کرنا صرف تعارف کے لیے ہے۔یعنی کسی برادری اور قوم کو دوسری قوم پر کوئی فضیلت نہیں ہے بلکہ فضیلت صرف تقویٰ کی بنیاد پر رکھی گئی ہے۔اسلامی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام ایک نصیحت ہے۔ نصیحت کے معنی بھلائی ہیں اسی طرح ایک حدیث میں بیان گیا ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو کہ دوسرے لوگوں کو نفع پہنچائے-ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کے کام میں لگ جاتا ہے جب تک یہ بندہ کسی ضرورت مند انسان کے کام میں مصروف رہتا ہے۔یعنی اسلامی تعلیمات میں اس چیز پر زیادہ زور دیا گیا ہے کہ آپ دوسرے لوگوں کو فائدہ اور نفع دیں تو آپ اچھے بنیں گے۔ جہاں تک ضرورت کی بات ہے تو ہمیں یہ ذہن میں رکھنا ہے کہ ایک مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ عبادت کے ساتھ انسان کی خدمت کو بھی اپنے اوپر لازم کردے کیونکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے کام کریں۔ابھی انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ مکمل ہو گیا ہے اور یہ ذمہ داری ہر مسلمان پر فرداً فرداً لازم ہے کہ خدمت انسانیت کو اپنا شعار بنائے تاکہ وہ دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جائے۔اگر نوعیت کی بات کی جائے تو تمام افراد کا دائرہ کار علیحدہ علیحدہ ہو سکتا ہے کیونکہ ہر فرد میں اللہ تعالیٰ نے وہ صلاحیت رکھی ہے جو کہ دوسرے انسان سے مختلف ہو سکتی ہے۔اس لیے ہر کوئی اپنی صلاحیت اور اپنے ماحول کے حساب سے یہ کام یعنی انسانیت کی فلاح و بہبود انجام دے اور اس کے بغیر وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔جہاں تک مسائل کا ذکر کیا جائے تو ہمارے معاشرے میں مختلف قسم کے مسائل موجود ہیں۔لہٰذا سب سے پہلے مسائل کو سمجھنا اور ادراک کرنا عقلمندی ہے اس کے بعد اپنے وسائل کے مطابق حل کرنے کی کوشش کی جائے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم فائدہ کس طرح دیں؟ فائدہ انفرادی اور اجتماعی دونوں

* اسسٹنٹ پروفیسر، مہران یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی شہید ذوالفقار علی بھٹو کیمپس خیر پور میرس سندھ، ای میل ایڈریس:hadibukhsh@gmail.com

** اسسٹنٹ پروفیسر، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ای میل ایڈریس:shahzad.channa@iiu.edu.pk

صورتوں میں دے سکتے ہیں۔ اگر ہم اپنے ماحول اور گردونواح یا پڑوس میں دیکھیں تو انسانوں کے بہت سارے مسائل نظر آئیں گے ان مختلف مسائل کو ہم اپنی صلاحیت کے مطابق حل کر سکتے ہیں۔ دوسرا اجتماعی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ہم اپنی حکومت اور بااثر افراد کو تیار کریں یا ان لوگوں کو توجہ دلائیں کہ یہ کچھ مسائل ہیں لہٰذا آپ انسانیت کی بہتری اور اپنی آخرت کی کامیابی کے لیے لوگوں کے کام کریں۔ اگرچہ وقتی طور پر ہمیں تکالیف اور مشکلات ہوں گی کہ بہت سارے افراد کے حوصلہ شکنی جیسے رویہ سے گزرنا ہوگا لیکن اگر مسلسل ہم سچائی کے ساتھ اپنے کام سے لگن رکھیں اور لوگوں کو ابھارتے رہیں کہ یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ انسانیت کی مشکلات کو حل کریں اور خود بھی اس کام میں ذاتی طور پر مثبت کردار ادا کریں تو یقینا مقصد میں کامیابی ملے گی۔ چناں چہ پاکستان میں ایدھی، چھیپا، بہت ساری انجمنیں اور فلاحی ادارے موجود ہیں جن کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں کہ ان اداروں کے لوگوں نے سچائی سے کام کیا تو آج نہ صرف پاکستان بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی ان اداروں کی تعریف کی جاتی ہے۔ لہٰذا نتائج کی پرواکیے بغیر کام جاری رکھیں کیونکہ نتائج کا تعلق تقدیر سے ہے اور ہمیں کیا پتہ کہ آنے والہ دن اور حالات کیسے ہوں گے لیکن ہمارے ذمہ اپنی استطاعت کے مطابق یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم لگن اور محنت سے ایسے منصوبے بناتے رہیں تاکہ انسانیت کو فائدہ پہنچے اور تمام لوگوں کی مشکلات کو حل کرنے کی کاوش کی جائے تو اُمید کی جاتی ہے کہ جلد یا بدیر ہمیں ضرو کامیابی ملے گی۔

پاکستان میں انسانی خدمات: ضرورت، نوعیت:

۱- انبیاء کرام (علیہم السلام) کا مشن اصلاح انسانیت:

اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ شروع کیا تاکہ وہ لوگوں کی تعمیر کریں۔ اس تعمیر میں روحانی اور جسمانی دونوں مضمر ہیں گویا کہ وہ لوگوں کو مکمل زندگی کا ضابطہ حیات سکھاتے تھے تاکہ لوگ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیاب ہوجائیں۔ اس لیے انبیاء کرام علیہم السلام نے لوگوں کی اصلاح کا کام جاری رکھا پھر نبوت کے اختتام پر یہ کام امت محمدیہ ﷺ کے لیے لازمی کر دیا گیا کہ آپ لوگوں کی تعمیر اور اصلاح کا کام کرتے رہیں۔ اسی وجہ سے اچھے لوگوں نے ہمیشہ امت میں اصلاح کے عمل کو اپنایا ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں واضح فرمائی ہے۔

جیسے اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ترجمہ: میں (شعیب نبی علیہ السلام) تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں جہاں تک بھی میرا بس چلے۔

آپ (شعیب نبی علیہ السلام) نے قوم کے سامنے اپنی اصل حیثیت واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ تم مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں تمہارا کسی معاملے میں حریف نہیں ہوں۔ میں تمہاری بہتری کا خواہاں تو ہوسکتا ہوں، حاسد نہیں ہوسکتا۔ میری صحیح پوزیشن یہ ہے کہ میں صرف تمہاری اصلاح چاہتا ہوں۔ یعنی تمہارے عقائد اور تمہارے اعمال کو سنوارنا چاہتا ہوں۔ میں تمہارے تمام معاملات کی درستی چاہتا ہوں اور یہ چاہنا صرف خواہش تک محدود نہیں بلکہ اس کے لیے اللہ نے مجھے جتنی طاقت عطافرمائی ہے اسے آخری حد تک نچوڑ دینا چاہتا ہوں۔[۲]

۲- اسلام میں خیر خواہی کی ترغیب:

اسلام میں خیر خواہی کی ترغیب دی گئی ہے اور دین اسلام کو خیر خواہی کا نام دیا گیا ہے۔ گویا کہ اسلام کا پورا نظام حیات خیر خواہی پر مبنی ہے۔ اسلامی فرائض میں تبلیغ اہم فریضہ ہے کہ ہر مسلمان دوسرے کو تبلیغ کے ذریعے دین اسلام کی طرف راغب کرے۔ ظاھر ہے کہ تبلیغ کا فریضہ اسی وقت سرانجام دیا جاسکتا ہے کہ جب ایک مسلمان کے اندر دوسرے کے لیے خیر خواہی کا جذبہ ہو۔ اس لیے اسلامی تعلیمات میں خیر خواہی کی بہت زیادہ ترغیب دی گئی ہے۔ جیسے حدیث میں آتا ہے کہ: **قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ: "إِنَّ الدِّيْنَ النَّصِيحَۃُ"**[۳] ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین خیر خواہی کا نام ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''بايعتُ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم علٰى إقامِ الصلوة وايتاءِ الزكوة والنصحِ لكُلّ مسلم۔[٤]

ترجمہ: ''میں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی کہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھوں گا، زکوۃ ادا کروں گا، اور ہر مسلمان کے حق میں خیر خواہی کروں گا۔" ''نماز اور زکوۃ اسلام کے اہم ترین ارکان میں سے ہیں، اُن نماز نماز اور زکاۃ کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، اور ''خیر خواہی'' کے ضمن میں بندوں کے تمام حقوق آجاتے ہیں۔ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ ان کی دینی، دنیاوی خیر و بھلائی کا طالب رہے، ان کو دین کی تبلیغ کرے، ان کو دنیا کے اس راستہ پر چلانے کی کوشش کرے جس میں ان کی بھلائی ہو اور اُن کو کسی بھی طرح نقصان پہنچانے کی بجائے نفع پہنچانے کی سعی کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی ''جوامع الکلم'' میں سے ہے، اس کے مختصر الفاظ حقیقت میں دین و دنیا کی تمام بھلائیوں اور سعادتوں پر حاوی ہیں اور تمام علوم اولین و آخرین اس چھوٹی سی حدیث میں مندرج ہیں۔''[۵]

۳- عصر حاضر میں خدمت کی شدید ضرورت:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اچھا دور میرا ہے پھر آپ ﷺ نے آخری دور کو بدتر بتایا ہے۔جیسے مسلمانوں کے تمام شعبہ ہائے زندگی زوال پذیر ہیں۔ان میں سے مسلمانوں کی آپس میں خدمت کا شعبہ بھی زوال پذیر ھے اس لیے یہ وقت کی ضرورت ہے کہ مسلمانوں میں شعبہ خدمت کو از سر نو زندہ کیا جائے تاکہ مسلمان اس نیکی کے ذریعے اپنی آخرت کو سنوارے۔ جیسے کہ ایک حدیث میں اس کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ۔[٦]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان کی دنیاوی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کی، اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا اور جس شخص نے کسی تنگ دست کے لیے آسانی کی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانی کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پشی کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔

پاکستان میں مسائل:

ریاست پاکستان میں مسائل دو قسم کے ہیں ایک قسم مسائل انفرادی ہیں جبکہ دوسری قسم مسائل اجتماعی ہیں۔یہاں زیر بحث موضوع میں اجتماعی مسائل ہیں۔کسی بھی ریاست کو دیکھا جائے تو اس میں نظریہ، مذہب، سیاست، معاشرت اور ثقافت کے اُمور میں ریاست سرپرستی کرتی ہے تاکہ لوگوں کے ساتھ ریاست کا تعلق محبت کے ساتھ وابستہ ہو۔اور لوگ ریاست کے تمام جملہ ہائے زندگی کے امور دلچسپی کے ساتھ ادا کرتے رہیں۔لیکن ریاست لوگوں کی پسند اور ناپسند کا خیال نہ کرے اور اپنے فرائض سے کوتاہی برتے۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام میں غصہ اور غضب پایا جاتا ہے۔اگر عوام میں غصہ پایا جائے تو وہ کسی بھی وقت ریاست کے خلاف کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اپنا ردعمل مشتعل ہونے کی صورت میں ظاہر کرتے ہیں۔اس طرح کی صورت حال کا نتیجہ آپس میں خون خرابہ اور خانہ جنگی جیسے جرائم جنم لیتے ہیں۔اس لیے ریاست کو چاہیے کہ عوام کی بنیادی ضروریات اور مسائل کا خیال رکھے اور مناسب طریقے سے حل کرنے کی کوشش کرے تاکہ عوام محبت اور یکجہتی کے ساتھ حکومت کے فرائض اور واجبات ادا کرتے رہیں۔اسی صورت میں ریاست ترقی کی طرف گامزن ہو سکتی ہے۔

بعض اہم مسائل کا تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ انہیں مناسب اور معقول تدبیر کے ذریعے حل کیے جائیں۔

الف: دینی مسائل

۱- مذہبی فرقہ پرستی:

مسلمانوں کی زبوں حالی کا تذکرہ کیا جائے تو مذھبی فرقہ پرستی کا بھی بہت زیادہ عمل دخل ہے۔کیونکہ فرقہ پرستی کی وجہ سے حق سے دوری، اعمال میں کوتاھی اور غلبہ دین کی کوشش میں دلچسپی جیسے امور نظر آئیں گے جس کی وجہ سے اسلام کی ترقی کا خواب نامکمل نظر آتا ہے۔انہی نقصانات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام میں فرقہ پرستی کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: **إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ**[٧]

لغت میں "فرقہ" [ف کے کسرہ کے ساتھ] لوگوں کی ایک جماعت کو کہا جاتا ہے۔قرآن کریم واحادیث مبارکہ میں فرقہ بندی کی ممانعت اور مذمت کی گئی ہے اور فرقہ بندی سے مراد وہ اختلاف ہے جو اصول دین و عقائد دین میں ہو۔

''اس آیت میں غلط راستوں پر پڑنے والوں کے متعلق اول تو یہ بتلا دیا کہ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بری ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا کوئی تعلق نہیں، پھر ان کو یہ وعید شدید سُنائی کہ ان کا معاملہ بس خدا تعالیٰ کے حوالے ہے وہی ان کو قیامت کے روز سزا دیں گے۔دین میں تفرق ڈالنا اور فرقے بن جانا جو اس آیت میں مذکور ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ اصول دین کے اتباع کو چھوڑ کر اپنے خیالات اور خواہشات کے مطابق یا شیطانی مکر و تلبیس میں مبتلا ہو کر دین میں کچھ نئی چیزیں بڑھا دے یا بعض چیزوں کو چھوڑ دے ....رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے مشکلات اور مبہمات کی تفسیر اور اپنی سنت کی تفصیلات اپنے بلا واسطہ شاگردوں یعنی صحابہ کرام کو اپنے قول و عمل کے ذریعہ سکھلائیں، اس لیے جمہور صحابہ کا عمل پوری شریعت الٰہیہ کا بیان و تفسیر ہے؛ اس لیے مسلمان کی سعادت اسی میں ہے کہ ہر کام میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے، اور جس آیت یا حدیث کی مراد میں اشتباہ ہو اس میں اس کو اختیار کرے جس کو جمہور صحابہ کرام نے اختیار فرمایا ہو۔ اس

مقدس اصول کو نظر انداز کر دینے سے اسلام میں مختلف فرقے پیدا ہوگئے کہ تعامل صحابہ اور تفسیرات صحابہ کو نظر انداز کر کے اپنی طرف سے جو جی میں آیا اس کو قرآن و سنت کا مفہوم قرار دے دیا، یہی وہ گمراہی کے راستے ہیں جن سے قرآن کریم نے بار بار روکا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر بڑی تاکید کے ساتھ منع فرمایا، اور اس کے خلاف کرنے والوں پر لعنت فرمائی۔[8]

۲۔ موجودہ نظام تعلیم میں ایمان کی شمع کو بجھانے کی سازش:

موجودہ نظام تعلیم میں تربیت کا پہلو اجاگر نہیں کیا جاتا بلکہ صرف تعلیم کی طرف توجہ مرکوز کی جاتی ہے۔اس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ بے راہ روی، آوارہ پن، بے مقصد زندگی، لوٹ مار اور کرپشن جیسے جرائم میں ملوث پایا جاتا ہے۔ حالانکہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس طبقہ نے امت کی خدمت کرنی تھی لیکن نظام تعلیم میں تربیت کا پہلو مد نظر نہیں رکھا گیا۔ بلکہ تعلیم کا مقصد فقط ملکی پیداوار سمجھا گیا ہے۔ جیسے Adam Smith آدم سمتھ (۱۷۲۳-۱۷۹۰ء) انگلستان نے تعلیم کا مقصد پیداوار میں اضافے کو قرار دیا۔اب یہ بات واضح ہوگئی کہ جدید مفکرین کے نزدیک انسان بالذات نہیں ہے۔ یہ دنیا انسان کے لیے نہیں بلکہ انسان دنیا کے لیے ہے۔ تعلیم کا مقصد تعمیر سیرت نہیں ہے بلکہ پیداوار بڑھانا ہے۔اس کے بعد سے تعلیم کو معاشی اقدار کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا۔[۹]

انگریز نے دیکھا کہ سیاسی طور پر ہم اگر ان پر قابو پا بھی لیں تب بھی ان کے اندر جو شمع جل رہی ہے، آزادی کی شمع، فکری آزادی کی بھی اور سیاسی آزادی کی بھی، اس شمع کو بجھایا نہیں جاسکتا۔ لھذا اس نے یہاں آکر ہمارا نظام تعلیم جو عرصہ دراز سے چلا آرہا تھا اور صرف دلی شہر کے اندر دو سو بڑے مدرسے کالج لیول کے، جن میں تمام علوم و فنون پڑھائے جاتے تھے اور ان میں اسلامی تعلیمات بھی تھیں۔ سلطان محمد تغلق کے دور میں دو سو تھے اور اس کے بعد ہوتے ہوتے ان کی تعداد سیکڑوں تک پہنچی تھی۔اس نے آکر ان تعلیمی اداروں کو بند کر دیا اور ایک نیا نظام تعلیم ملک میں جاری کر دیا۔۔۔ مقصد یہ تھا کہ اس نظام تعلیم کے ذریعے ان کے دلوں میں جو ایمان کی شمع ہے اسے بجھایا جائے۔ان کے اندر جو اپنے دین کے ساتھ محبت ہے اسے مٹایا جائے اور ان کو ہم اپنے کلرک بنا کر رکھیں۔[۱۰]

ب: سیاسی مسائل

۳۔ مشاورت کو نظر انداز کرنا:

اسلامی تعلیمات میں مشورہ کی بڑی اہمیت بتائی جاتی ہے لیکن ہماری حکومت میں کچھ خوش آمدی افراد کا حلقہ ہوتا ہے جو کہ سب اچھا کی نوید سناتا ہے۔اور یوں حکومت کے معاملات میں اچھے طریقے سے مشورہ نہیں کیا جاتا۔ جس کی وجہ سے بہت ساری منصوبہ بندی ہمارے ہاں ناقص ہوتی ہے۔ نیز صحابہ کرام سے ثابت ہے، انہوں نے اپنے دنیاوی معاملات میں آپ ﷺ سے مشورہ فرمایا ہے۔ خود صحابہ کا باہم دنیاوی امور میں مشورہ کرتے تھے۔ جیسا کہ ۱۷ھ میں حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ امارتِ اسلامیہ کی طرف سے مختلف ممالک کے بادشاہوں کو خطوط روانہ کیے جاتے ہیں، مگر ان میں تاریخ نہیں لکھی ہوتی، اگر تاریخ لکھنے کا اہتمام ہو جائے تو اس میں بے شمار فوائد ہیں، مثلاً پتا چل جائے گا کہ کون سے دن آپ کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا۔کب یہ حکم متعلقہ حکام تک پہنچا۔کب اور کس تاریخ کو اس پر عمل درآمد ہوا وغیرہ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ مشورہ بہت پسند آیا، چناں چہ انہوں نے اکابر صحابہ کرام کو اس مسئلے کی طرف توجہ دلائی اور مشورہ کے لیے جمع کیا۔البتہ جو امور شریعت میں پہلے سے طے شدہ ہوں یعنی جن کا کرنا ضروری ہو یا نہ کرنا ضروری ہو، ان کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں مشورہ نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ نماز پڑھی جائے یا نہیں، ہاں اس بات پر مشورہ ہو سکتا ہے کہ نماز اسی جگہ پڑھی جائے یا سفر میں تھوڑا آگے چل کر پڑھی جائے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ**[۱۱]

اور قرآن مجید میں ارشاد گرامی ہے: **وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ**[۱۲] مشورہ کا حکم: اہم معاملات میں باہمی مشورہ لینا آپ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت اور دنیا و آخرت میں باعثِ برکت ہے۔[۱۳]

۴۔ اقربا پروری اور نااہل افراد کا انتخاب:

ریاست تمام افراد کے لیے ماں کا درجہ رکھتی ہے۔ لہٰذا ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام افراد کو برابر حقوق عطا کرے۔ لیکن بدقسمتی سے بعض افراد اقربا پروری کو پروان چڑھاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہمارے مسائل میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔اس کے علاوہ ہماری حکومت کے ہاں عہدے دیتے ہوئے صلاحیت کا لحاظ نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے ہمارے بہت سے معاملات بگڑ جاتے ہیں۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" **إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة** "[۱۴] ترجمہ: کہ جب (حکومت کے کاروبار) نالائق لوگوں کو سونپ دیئے جائیں تو قیامت کا انتظار کر۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اچھی حکومت یعنی صالح حکومت صالحہ جماعت سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اور صالحہ جماعت یا قوم وہ ہوتی ہے جس کے افراد کا اعتقاد، عمل اور اخلاق صالح ہو۔ حکومت کی ضروریات کی دو بنیادی چیزیں امانت اور عدل ہیں اگر حکومت کے افسر، حکام یا عمال امین اور عادل ہوں گے، تو نظام حکومت صحیح رُخ پر گامزن ہو گا، لوگوں کو ان کے حقوق اور عدل و انصاف حاصل ہو گا۔ ملک میں امن وامان قائم ہو گا اور لوگ چین کی زندگی بسر کریں گے۔ برخلاف اس کے اگر کارپردازانِ حکومت خائن اور ناانصاف ہوں گے تو حکومت کا نظام درست طریقے سے نہیں چل سکے گا، ملک میں بدامنی کی فضا پیدا ہو گی لوگوں کے حقوق ضائع ہوں گے اور رعایا امن و چین کی زندگی سے محروم ہو جائے گی۔ صاحبِ تفسیر خازن فرماتے ہیں کہ اس آیت کا اطلاق حکومت اور عوام دونوں طبقوں پر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس گاؤں، قصبے یا شہر میں لوگ اکٹھے رہتے ہوں اور ان کے مفادات مشترکہ ہوں وہاں ان کے درمیان تنازعات کا پیدا ہو جانا بھی عین ممکن ہے اگر دو افراد کے درمیان لین دینکا معاملہ ہو تو انہیں بھی حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے اپنے حقوق فرائض کی پابندی کریں اور جو فرد جس چیز کا اہل ہے، اسے اس کی امانت ادا کی جائے۔ اور ایک دوسرے کے درمیان عدل وانصاف کی فضا قائم کی جائے۔ افراد سے بڑھ کر یہی چیزیں جب حکومت کی سطح پر پیدا ہوں تو صالحہ حکومت کا بھی فرض ہے کہ رعایا میں سے جو شخص جس کام کا اہل ہے، وہی کام اس کے سپرد کیا جائے۔ نیز یہ کہ جب افراد کے تنازعات فیصلہ کے لیے حکومت تک پہنچیں تو پھر حکام پر لازم آتا ہے کہ ہر شخص سے انصاف کیا جائے۔ رشوت، سفارش، اقربا پروری اور جانبداری کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ ادائے امانت کا عام فہم مفہوم تو یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کے پاس کوئی چیز بطور امانت (ودیعت) رکھی ہے تو وہ اسے معین وقت پر واپس ادا کرے۔ کسی عہدے یا منصب پر تعیناتی کرنا متعلقہ حاکم کے ذمے بہت بڑی امانت ہے۔ ادائیگی امانت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص جس منصب کا اہل ہے وہ اس کے سپرد کرو۔ اگر کوئی عہدہ اہل کی بجائے نااہل کو دیا جائے گا تو وہ خیانت ہو گی اور ایسا کرنے والا شخص قابل مؤاخذہ ہو گا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ جو حاکم کوئی عہدہ اس کے اہل کی بجائے اپنے کسی غیر مستحق دوست یا رشتہ دار کو دیتا ہے تو وہ آدمی اللہ کے ہاں ملعون ہے، اس نے امانت میں خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔ گویا تقسیم منصب بھی بہت بڑی امانت ہے۔ نظام حکومت چلانا بہت مشکل کام ہے۔ دنیادار اسے آسان سمجھ کر ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ بلکہ ہر جائز ناجائز طریقے سے حاکم بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن ہر صاحب اقتدار حاکم کو ندامت اور حسرت ہو گی۔ اس دن وہ تمنا کریگا، کاش میں دنیا میں حاکم نہ بنتا۔ رعایا کے حقوق اور مظالم اس کی گردن پر ہوں گے۔ ناانصافیاں گلے میں لٹکتی ہوں گی۔ مظلوم جنت میں چلا جائے گا، اور اس کے بدلے میں حاکم کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا، آج تو دنیا میں بڑی شان و شوکت سے حکومت کی جاتی ہے مگر جب قیامت کے دن جزائے عمل کا وقت آئے گا تو حسرت اور ندامت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ [۱۵]

۵- مالی بدعنوانی کا عروج:

ریاست پاکستان میں جس طرح بہت سارے مسائل کا وجود پایا جاتا ہے ان مسائل میں سرفہرست مسئلہ بدعنوانی بھی ایک ہے۔ بدعنوانی کی وجہ سے ہمارے مفید منصوبے ناکام ہو جاتے ہیں اور ہم ترقی کے بجائے ناکامی کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اس لیے بحثیت قوم بدعنوانی کے خلاف مؤثر اقدام اُٹھائے جائیں اور کرپشن کے مرتکب افراد کو سخت سزائیں دی جائیں تاکہ ریاست سے بدعنوانی کا خاتمہ ہو جائے اور ملک ترقی کی طرف گامزن ہو۔

اسی طرح باطل اس طریقہ کو کہتے ہیں جو عدل، انصاف، شریعت، معروف اور سچائی کے خلاف ہو۔ اس کے تحت جھوٹ، خیانت، غصب، رشوت، سود، سٹہ، جوا، چوری اور معاملات کی وہ ساری قسمیں آتی ہیں جن کو شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا کہ دوسروں کا مال ہڑپ کرنے کے لیے مال کو حکام رسی کا ذریعہ نہ بناؤ۔ اس لیے کہ رشوت حصول مال کا جائز ذریعہ نہیں ہے بلکہ یہ اثم یعنی گناہ، حق تلفی اور غصب حقوق کا راستہ ہے۔ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ یعنی اس کا گناہ اور حق تلفی ہونا تمہیں معلوم ہے۔ تمام دنیا کے معروف اور ہر دین و شریعت میں اس کا گناہ ہونا مسلم رہا ہے۔ یہ آیت رشوت پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈالتی ہے۔ ایک تو یہ کہ یہ ناجائز طریقہ سے دوسروں کے حقوق ہڑپ کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ چنانچہ یہاں دوسروں کا مال ناجائز طریقہ سے کھانے کی ممانعت کے بعد خاص طور پر اسی چیز کا ذکر کیا۔ اس کی وجہ صاف ہے کہ قانون، جو لوگوں کے حقوق کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، حکام کی راست روی اور دیانت پر ہے۔ وہی قانون کے اصلی محافظ ہیں۔ اس وجہ سے اگر ان کو کسی ذریعہ سے بددیانت بنا دیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اب حقوق بکاؤ مال ہیں جس کے پاس پیسے ہوں وہ ان کو خرید سکتا ہے۔ رشوت حکام کو بددیانت بنانے کا ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ کارگر حربہ ہے۔ دوسرا یہ کہ رشوت کی گرم بازاری میں سب سے زیادہ موثر عامل خود معاشرہ ہے۔ جب لوگوں میں دوسروں کے حقوق ہڑپ کرنے کا رجحان پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی غرض پوری کرنے کے لیے رشوت کی راہ اختیار کرتے ہیں اور اس طرح حکام کے منہ کو خون لگا دیتے ہیں۔ پھر جب ان کے منہ رشوت کا خون لگ جاتا ہے تو وہ اس کے ایسے رسیا ہو جاتے ہیں کہ وہ رشوت لیے بغیر لوگوں کو خود ان کے واجبی حقوق بھی نہیں دیتے۔ اس وجہ

سے اسلام نے سب سے پہلے خود معاشرے کو یہ راہ اختیار کرنے سے روکا ہے کہ اپنے ہی پہرہ داروں کو خود اپنی ہی بدآموزی سے چور نہ بناؤ۔ اور اس معاملہ میں اتنی احتیاط برتی ہے کہ حکام کو تحفے اور ہدیے پیش کرنے اور ان کے لیے ان کے قبول کرنے کو بھی، جیسا کہ احادیث سے واضح ہے، پسند نہیں کیا اس لیے کہ یہ بھی رشوت کا ایک چور دروازہ ہے۔ تیسرا یہ کہ رشوت کا گناہ ہونا ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ اس کو سب جانتے ہیں۔ عقل اس کی گواہ ہے، فطرت انسانی اس کی شاہد ہے، دنیا کا معروف اس پر حجت ہے اور تمام مذاہب و ادیان اس کی حرمت پر متفق ہیں۔[۱۶]

۶- مغربی تہذیب کی یلغار:

ہماری ریاست میں مغربی تہذیب کو مختلف ذرائع کے ذریعے پروان چڑھایا جاتا ہے۔ تاکہ لوگوں میں دینی تشخص کا خاتمہ کیا جائے اور امت میں مذہب سے بیزاری کا جذبہ کار فرما ہو جائے۔ حالانکہ پاکستان اسلام کے نام سے وجود میں آیا ہے، اسلام ہی کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے۔ نیز کوئی چیز اگر قرآن وسنت کے خلاف نافذ کی جائے تو وہ پاکستان کے اسلامی قانون سے متصادم ہو گی۔ اس لیے مغربی تہذیب کو ترقی دینے کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان کے اسلامی تشخص کو ختم کرنے کرنے کے مترادف ہو گا۔ مگر کچھ لوگ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر مغربی تہذیب کو معاشرے میں داخل کر رہے ہیں۔ اس صورت حال میں حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مغربی تہذیب کے بجائے اسلامی تہذیب کی سرپرستی کرے۔

اس حوالے سے نامور عالم اسلام کے مفکر ڈاکٹر محمود احمد غازی کہتے ہیں:

"یہ بات جو ۱۹۹۴ء-۱۹۹۵ء سے پہلے میرے علم میں نہیں تھی، اب وقت کے ساتھ ساتھ روز روشن کی طرح ایسی واضح ہے کہ مجھے یوں لگتا ہے کہ یہ پوری دنیائے مغرب کا ایک طے شدہ فیصلہ ہے کہ دنیائے اسلام پر مغرب کے ایجنڈے کو سو فی صد نافذ کیا جائے اور عالم گیریت کے نئے نظریات اور تصورات سے کام لے کر اہل مشرق کو بالعموم اور دنیائے اسلام کو بالخصوص مغرب کا تابع مہمل اور نقل، مطابق اصل بنایا جائے۔"[۱۷]

ج: معاشرتی مسائل

۷- اتحاد و یکجہتی کا فقدان:

پاکستان کے مسائل میں سے ایک اھم مسئلہ اتحاد و یکجہتی کا فقدان ہے۔ ریاست کے تمام افراد مختلف معمولی مسائل کی وجہ سے آپس میں دست و گریبان ہیں۔ جس کی وجہ سے آئے روز جھگڑے اور فساد ملک میں عام ہو رہے ہیں۔ حالانکہ بحثیت ایک قوم ملک کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ اور ملک میں اتحاد و یکجہتی کو فروغ دینا چاہیے، تاکہ تمام شعبہ ہائے زندگی کے افراد اپنے ملک کی خاطر پُرسکون طریقے سے اپنے کام سرانجام دے سکیں اور ملک میں ترقی کا بول بالا ہو۔

مسلمان کا اللہ کے ساتھ اتنا مضبوط تعلق ہو اور اس درجہ وابستگی ہو کہ دنیا کا کوئی اور رشتہ اسے منقطع نہ کر سکے، وہ صرف خدا کے لیے زندہ رہے اور خدا کے لیے مرے اس کا اپنا مفاد اپنے اغراض یکسر مٹ جائیں، اور اس کے تمام تعلقات اسلام و صداقت کے لیے ہوں، کفر اور جھوٹ سے اسے قطعاً محبت نہ ہو اور وہ دنیا کے تمام مادی رشتوں کو کاٹ دے اور اسلام کے حبل متین سے اپنے آپ کو وابستہ کر لے۔ ظاہر ہے اس درجہ اخلاص کے بعد جبکہ سچائی اور صداقت کے سوا اور کوئی چیز اپنی نہ رہے 'اختلاف اٹھ جاتا ہے اور تفریق وتشتت کے امراض پیدا نہیں ہوتے، اس لیے قرآن حکیم مسلمانوں کو کہتا ہے کہ دیکھو تم میں تفریق وانتشار کے جھگڑ نہ چلنے لگیں تم ہمیشہ ہی اخلاص پر قائم رہو' جسے اللہ نے اسلام کے ذریعہ تم میں پیدا کیا، عربوں میں اسلام کے پیغام اخوت سے پہلے انتہادرجہ کی تھیں وہ ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے اور اپنے دلوں میں صدہا سال کے کینوں کو پالتے رہتے اور اس فطرت کینہ توزی پر فخر کرتے، ایک دفعہ جب لڑائی کی آگ سلگتی تو پھر اس وقت تک اس کے شعلے نہ بجھتے جب تک کہ سارا عرب اس سے نہ جھلس جاتا وہ اپنے ان "ایام غرر" پر نازاں تھے اور اس وصف زبوں کو بہادری اور جماست سے تعبیر کرتے، ذرا ذرا سی بات پر ان کا غم وغصہ مستقل جنگ کی شکل اختیار کر لیتا اور وہ برسوں تک اس شغل و تفریق کو جاری رکھتے، اس وجہ سے وہ بالکل تباہ ہو چکے، اور ہلاکت و موت کے عمیق غار میں گرنے ہی کو تھے کہ اسلام پیام مودت و محبت نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا اور سارے عمر اخوت و برادری کی ایک لہر دوڑادی۔[۱۸]

۸- قومیت پرستی کا تعصب:

قومیت پرستی کے تعصب سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص اپنی قوم یا تعلق کی بنیاد پر حمایت اور مدد کرے حالانکہ وہ فرد جس کی مدد کی جارہی ہو وہ ظالم ہو۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے صرف مظلوم کی مدد کی جائے خواہ وہ مظلوم اپنا ہو یا پرایا ہو۔اس لیے قومیت پرستی کے تعصب سے بچنا چاہیے۔کیونکہ قرآن اور احادیث میں اس قسم کے تعصب کو ناپسند کیا گیا ہے اور اس کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

دنیا پرستوں نے مال و دولت کی بنیاد پر ساری کائنات کے لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ایک طرف تو غریب مزدور اور محنت کش طبقہ ہے دوسری طرف دولت مند ،سرمایہ دار اور عیش پسند طبقہ ہے۔لوگوں کے نزدیک جس کے پاس جتنی دولت ،سرمایا اور اونچی بلڈنگیں اور بہترین سورایاں ہیں اس کو عزت دار اور بڑا آدمی سمجھا جاتا ہے خواہ اس میں ہزاروں عیب کیوں نہ ہوں اس کے برخلاف وہ آدمی جس کے پاس مال و دولت نہیں ہے محض اس کی اپنی ذاتی شرافت ہے اور دنیاوی وسائل سے وہ محروم ہے تو اس کو معاشرہ میں چھوٹا آدمی سمجھا جاتا ہے۔اس طبقاتی تقسیم نے دنیا میں سارے فسادات اور ظلم و جبر کو جنم دیا ہے۔اسی لیے دین اسلام نے انسانی شرافت اور بڑائی کا معیار مال و دولت اور سرمائے کو نہیں بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری کو قرار دیا ہے۔وہ شخص جو اللہ سے ڈرتا ہے تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی گذارتا ہے وہ اللہ کے نزدیک انتہائی معزز اور قابل احترام ہے لیکن وہ سرمایہ دار شخص جو برائیوں اور گناہوں میں مبتلا ہے ،اللہ کا نافرمان اور ظالم و جابر ہے وہ دنیا والوں کی نظر میں کتنا ہی باعزت اور بڑا آدمی ہو اللہ کی نظر میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ تمام لوگ آدم (علیہ السلام) کی اولاد ہیں جنہیں مٹی سے پیدا کیا گیا ہے نہ کسی عربی کو عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو عربی پر نہ کسی کالے کو گورے پر اور نہ کسی سفید اور سرخ رنگ والے کو دوسروں پر سوائے تقویٰ کے کوئی بڑائی اور فضیلت حاصل نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت (آدم صلی اللہ علیہ وسلم و حوا (علیہ السلام)) سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قبیلوں اور خاندانوں میں محض ایک دوسرے کو پہچاننے کے لیے تقسیم کیا ہے۔بیشک اللہ کو ہر بات کا پورا پورا علم ہے اور وہ ہر ایک کی خبر رکھنے والا ہے۔جب کہ آج انسانی شکل کا یہ بگاڑ انسان کی خود غرضی ،لالچ ،رنگ و نسل ،زبان ،وطن اور قومیت اور اس کی تقسیم سے پیدا ہوا ہے۔یہ صرف دین اسلام ہی ہے جس نے ساری دنیا کو بتادیا کہ ذات ،پات ،چھوٹا ،بڑا ،کالا ،گورا ،عرب اور عجم ان سب کی اصل ایک ہے کیونکہ اللہ نے سب مردوں اور عورتوں کو ایک ہی ماں باپ سے وجود عطا کیا ہے۔قبیلہ ،خاندان ،زبان اور وطن یہ ایک دوسرے کی پہچان کا ذریعہ تو ہیں لیکن ان میں فخر و غرور کی کوئی بات نہیں ہے۔تاریخ انسانی گواہ ہے کہ قومیتوں ،خاندانوں اور قبیلوں پر فخر نے انسان کو اتنا نقصان پہنچایا ہے کہ آج پوری دنیا کے تمام خطوں میں شدید کرب اور اذیت میں مبتلا لوگوں کی چیخیں اور آہیں بھی گھٹ کر رہ گئی ہیں۔نسل پرستی کے نعرے کی ابتدا یہودیوں سے ہوئی ہے جنہوں نے بنی اسرائیل کو اللہ کی منتخب اور پسندیدہ مخلوق قرار دے کر غیر اسرائیلیوں کو حقیر و ذلیل کر کے رکھ دیا ہے۔ہندوؤں نے برہمنوں کو ساری عزت و سربلندی کا مالک قرار دے کر شودروں اور نیچی ذات والوں کو ذلت کے گڑھے میں پھینک دیا ہے۔افریقہ اور امریکہ میں کالے اور گورے کے فرق نے جو تباہی مچائی ہے اس سے تاریخ بھی شرما جاتی ہے۔یورپ کے گوروں نے براعظم امریکہ میں ریڈ انڈین نسل کے ساتھ جو ظالمانہ اور غیر انسانی سلوک کیا ہے اس کی داستانوں کی گونج سے آج بھی پورا امریکہ لرز رہا ہے۔یورپ کے سرمایہ دار اگر غریب اور مزدور پر ظلم کی انتہا نہ کر دیتے تو کمیونزم اور سوشلزم کا کینسر جنم نہ لیتا۔ان ہی باتوں کا اثر ہے کہ نازی جرمنوں کے نسل پرستانہ فلسفہ اور نارڈک نسل کی برتری نے دنیا کو پہلی جنگ عظیم کے شعلوں میں دھکیل دیا جس کے نتیجے میں دوسری جنگ عظیم ہوئی۔ہر ملک نے اپنی حفاظت کے نام پر ایسے ایسے ہتھیار بنا ڈالے کہ انسان کو بارود کے ڈھیر پر لا کر بٹھا دیا ہے نجانے کب کوئی پاگل اور دیوانہ سربراہ ساری دنیا کو تباہ و برباد کرنے کا سبب بن جائے۔اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو متقی اور غیر متقی میں تقسیم کر کے انسانیت پر احسان عظیم کیا ہے اور یہی فلسفہ حیات اب بھی دنیا بھر کے لوگوں کو انسانیت کے اعلیٰ مقام تک پہنچا سکتا ہے۔[۱۹]

۹- نظام عدل کا فقدان:

ملک کی ترقی میں نمایاں کردار عدل پر عمل کرنے میں پوشیدہ ہے ،مگر افسوس کہ ہماری ریاست میں عدل کے بجائے ظلم پھیلا ہوا ہے اور عدل نہ ہونے کی سے ہمارے معاملات سنبھلنے کے بجائے بگڑ جاتے ہیں۔حالانکہ ترقی یافتہ ممالک کو دیکھا جائے تو ترقی کے رازوں میں سے ایک اہم راز عدل کا پایا جانا بھی ہے۔جبکہ ہمارے ہاں عدل میں بہت زیادہ کمی نظر آتی ہے۔جس کی وجہ ہمارے معاشرے میں ترقی کی رفتار بہت سستی کا شکار ہے۔

یہاں اس آیت میں یہ سمجھایا جارہا ہے کہ تم سابقہ دشمنیوں اور قبائلی عصبیتوں سے بالکل بے نیاز ہو کر انصاف کی گواہی دیا کرو۔کسی شخص کی یا کسی قوم کی دشمنی تمہاری گواہی پر یا تمہارے عدل و انصاف پر ہرگز اثر انداز نہ ہونی چاہیے اس کی واضح مثال تو اس انصاری کا واقعہ ہے جس نے کسی مسلمان کی ایک زرہ چرالی اور ایک یہودی کے پاس امانت رکھ آیا تھا (یہ واقعہ سورۃ نساء کی آیت نمبر ۱۰۷ کے تحت بیان ہو چکا ہے) مالک یہ مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی عدالت میں لے گیا چور (جو حقیقتاً منافق تھا) کی سوچ ہی یہی تھی کہ میں چونکہ مسلمان ہوں اس لیے یہودی کے مقابلہ میں یقیناً آپ میری حمایت کریں گے۔ پھر اس چور اور اس کے خاندان والوں نے اسی قبائلی عصبیت کی بنا پر اس کا ساتھ دیا اور قسمیں بھی کھائیں کہ ہم اس چوری کے قصہ میں بالکل بے تعلق ہیں اور قریب تھا کہ آپ یہودی کے خلاف اور اس منافق کے حق میں فیصلہ بھی دیتے کہ اللہ نے بذریعہ وحی آپ کو حقیقی صورت سے مطلع فرما دیا۔ اس آیت میں تمام مسلمانوں کو ایک جامع ہدایت دی گئی ہے کہ جس شخص کے حق میں تمہیں گواہی دینا پڑے، گواہی بالکل ٹھیک ٹھیک دیا کرو خواہ وہ تمہارا دوست ہو یا دشمن قوم سے تعلق رکھتا ہو۔ کیونکہ تم میں عدل و انصاف اور تقویٰ پیدا کرنے والے اسباب میں سے یہ ایک موثر ترین سبب ہے اور تمہیں شہادت دیتے وقت ہر لحظہ یہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ جو کچھ تم کہو گے اللہ سن رہا ہے اور جو کچھ کرو گے اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔[20]

۱۰۔ امن وامان کی ابتر صورت حال:

ہماری ریاست میں بعض اہم مسائل میں سے ایک مسئلہ امن و امان کی ابتر صورت حال ہے۔ لوگ شہر، بازار اور اپنی چار دیواری میں محفوظ نہیں۔ امن وامان کو کنٹرول کرنے والے ادارے ناکام نظر آتے ہیں۔ جب ریاست کے افراد پر سکون اور کام میں یکسو نہیں ہوں گے تو ترقی کا خواب ادھورا رہے گا۔ اس لیے یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ملک میں امن وامان کی صورت حال کو بھتر بنائے۔ اور ملک میں مجرموں کو سخت سزائیں دی جائیں تاکہ لوگ سکون والی زندگی گذار سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ آپ کی امت کو زمین کو حکمران بنائے گا۔ گو آج یہ لوگ لرزاں و ترساں ہیں۔ کل یہی لوگ امن و اطمینان کے ساتھ حکومت کریں گے۔ دشمنان اسلام مغلوب ہوں گے اور مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوں گے۔ چنانچہ بحمد اللہ اسی طرح ہوا کہ مکہ، خیبر، بحرین، جزیرہ عرب اور یمن تو خود آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی موجودگی میں فتح ہوئے۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق (رض) نے حکومت کو مضبوط و مستحکم بنایا۔ اس کے ساتھ ہی ایک لشکر جرار حضرت خالد بن ولیدؓ کی سپہ سالاری میں بلاد فارس کی طرف بھیجا جس نے وہاں فتوحات کے ساتھ ساتھ کفر کے درختوں کو کاٹ چھانٹ کر ہر طرف اسلام کے پودے لگا دیئے۔ اسی طرح حضرت عبیدہ بن جراحؓ وغیرہ کے ماتحت شام کے علاقوں میں اسلام کے جانبازوں کو روانہ فرمایا۔ انہوں نے بھی اسلامی جھنڈا بلند کیا اور صلیبی نشان مٹائے۔ حضرت عمرو بن العاص (رض) کی سربراہی میں مجاہدین کا ایک اور لشکر مصر کی طرف روانہ فرمایا۔ پھر حضرت ابو بکر کے بعد حضرت عمر (رض) خلیفہ ہوئے۔ اور تمام ملک شام، مصر کا پورا علاقہ اور فارس کا اکثر حصہ آپ کی خلافت کے زمانے میں فتح ہوا۔ کسریٰ کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ خود کسریٰ کو منہ چھپانے کی جگہ نہ ملی، کامل ذلت اور اہانت کے ساتھ بھاگتا پھرا۔ قیصر کا نام و نشان مٹ گیا۔ اس کو روم کی سلطنت سے دستبردار ہونا پڑا۔ ان سلطنتوں کی صدیوں کی جمع کردہ دولت اور خزانے اللہ کے ان نیک بندوں نے غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کئے اور اللہ کے وہ وعدے پورے ہوئے جو اس نے اپنے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبانی کئے تھے۔ پھر حضرت عثمان ابن عفان (رض) کے دور خلافت میں اللہ کا دین مشرق و مغرب کی انتہا تک پھیل گیا، اندلس قبرص، قیروان و سبتہ یہاں تک کہ چین تک آپ کے زمانے میں فتح ہوئے۔ دوسری جانب مدائن، عراق، خراسان، اہواز سب فتح ہوگئے ترکوں سے جنگ عظیم ہوئی۔ آخر ان کا بڑا بادشاہ خاقان ذلیل و خوار ہوا۔ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ کرنے والے مومنوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو زمین پر خلیفہ اور حاکم ضرور بنائے گا۔ جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو بنا دیا تھا۔ پہلے لوگوں سے مراد حضرت داؤد حضرت سلیمان (علیہ السلام) وغیرہ ہیں۔ قتادہ نے آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ آیت میں پہلے لوگوں سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح تم سے پہلے اس نے بنی اسرائیل کو مصر اور شام کی حکومتیں دیں اور ان کے ملک و مال کا وارث بنا دیا اسی طرح وہ تمہیں بھی دشمنان اسلام پر غلبہ عطا فرمائے گا اور ایسی عظیم سلطنت عطا فرمائے گا جو قوت و شوکت میں ضرب المثل ہو گی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے جس دین کو ان کے لیے پسند کیا ہے وہ ان کے لیے اس دین (اسلام) کو ضرور مستحکم و مضبوط کرے گا اور دنیا کی کوئی طاقت دین اسلام کو ہلا نہ سکے گی، اور یہ لوگ بے خوف و خطر اپنے دین پر عمل کریں گے، جو تمام دینوں پر غالب ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے خوف کو امن و سکون سے بدل دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے یہ تمام وعدے صبح کی سفیدی کی طرح پورے ہوئے اور آپ کی نبوت و رسالت کی دلیل بنے۔ پھر فرمایا سلطنت و حکومت مل جانے کے بعد یہ لو دنیوی حکمرانوں کی طرح اپنے رب سے غافل نہیں ہوں گے، بلکہ اس کی عبادت و بندگی میں لگے رہیں گے اور اس کے ساتھ کسی کو ذرہ برابر بھی شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ پس ایسی حکومت اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ لہٰذا جو شخص اس عظیم انعام کے بعد ناشکری کرے تو ایسے ہی لوگ اعلیٰ درجے کے فاسق ہیں، اس ناشکری کا آغاز حضرت عثمان کے زمانے میں باغیوں سے ہوا۔[21]

پاکستان میں انسانی خدمات، ضرورت، نوعیت اور مسائل کے متعلق چند اہم نتائج کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

۱-انبیاء کرام (علیہم السلام) کا مشن اصلاح انسانیت رہا ہے۔ موجودہ دور میں امت محمدیہ ﷺ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اصلاح کا کام جاری رکھے۔

۲-اسلام میں خیر خواہی کی بہت زیادہ تاکید اور ترغیب دی گئی ہے۔

۳-موجودہ مادہ پرستی میں خدمت کی ضرورت مزید بڑھ جاتی ہے۔

۴-مذہبی فرقہ پرستی کا خاتمہ کیا جائے۔

۵-موجودہ نظام تعلیم میں دینی نصاب خدمات انسانی کو شامل کیا جائے تاکہ نوجوان نسل دین سے وابستہ رہ سکے۔

۶۔حکومت کے معاملات مشاورت کے ساتھ چلائے جائیں۔

۷۔اقربا پروری سے گریز کیا جائے اور حکومتی ذمہ داریوں میں اہل افراد کا انتخاب کیا جائے۔

۸-بدعنوانی میں ملوث افراد کو عبرت ناک سزائیں دی جائیں۔

۹-مغربی تہذیب کے سامنے ٹھوس بنیادوں کے ذریعے بند باندھا جائے۔

۱۰-ملک میں اتحاد و یکجہتی کے عمل کو فروغ دیا جائے۔

۱۱-قومیت پرستی کے تعصب کے بجائے قومی ہم آہنگی اور بھائی چارے کی فضا قائم کی جائے۔

۱۲-ملک میں عدل پر مبنی نظام نافذ کیا جائے۔

۱۳-خدمات انسانی کے ذریعے ریاست میں امن وامان کی صورت حال کو بہتر بنایا جائے۔

---

[۱] -القرآن،۸۸:۱۱-

[۲] -محمد اسلم صدیقی،ڈاکٹر، تفسیر روح القرآن،لاہور،ادارہ نشریات،ج۵:ص:۳۲۴۔

[۳] -امام مسلم،ابوالحسین مسلم بن حجاج بن مسلم قشیری، صحیح مسلم، باب الدین النصیحۃ، حدیث، ۵۵،ج:۱،ص:۵۴-

[۴] -ولی الدین، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب، العمری، التبریزی، مشکوۃ المصابیح،کتاب الآداب، باب الرحمۃ والشفقۃ علی الخلق، ص:۴۲۳-

[۵] -مولوی محمد قطب الدین خان دہلوی، مظاہر حق شرح مشکوۃ المصابیح، کراچی، دار لاشاعت، ج ۴ ص ۴۹۹-

[۶] -امام مسلم، صحیح مسلم حدیث ۲۶۹۹، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ،ج ۴ص ۲۰۷۴۔

[۷] -القرآن،۱۵۹:۶-

[8] -مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، کراچی، ادارہ المعارف دار العلوم،۱۹۸۹ء۔۱۴۱۰ھ-۱۹۸۹ء، ج ۲ص ۱۴۳-

[۹] -محمد سلیم، سید، پروفیسر، مغربی فلسفہ تعلیم ایک تنقیدی مطالعہ، کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز اے-۴/۱۷، ناظم آباد نمبر، ۴، ۲۰۰۸ء، ص۱۱۹-

[۱۰] -مفتی محمد تقی عثمانی، اصلاحی خطبات، کراچی، میمن اسلامک پبلشرز، ۲۰۱۵ء، ج۲۰ص ۱۴۴۔

[۱۱] -القرآن،۱۵۹:۳-

[۱۲] -القرآن،۳۸:۴۲-

[۱۳] -مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج ۲ص ۲۱۹-

[۱۴] -امام البخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ البخاری الجعفی، حدیث ۵۹، الباب: سئل علما وھو مشتغل فی حدیث، ج ۱ص ۲۱۔

[۱۵] -صوفی عبدالحمید سواتی مولانا, معالم العرفان، القرآن، ۵۸: ۴، گوجرانوالہ، مکتبہ دروس قرآن فاروق گنج، مارچ ۲۰۰۸ء -۱۴۲۸ھ، ج۶ص ۲۹۲-۲۹۴-

[۱۶] -امین احسن اصلاحی مولانا، تدبر القرآن، القرآن، ۱۸۸: ۲، لاہور، فاران فاؤنڈیشن، ۱۴۰۳ھ، ج ۱ص ۴۶۵، ۴۶۴-

[۱۷] -محمود احمد غازی ڈاکٹر، محاضرات تعلیم، کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز اے-۴/۱۷، ناظم آباد نمبر ۴، ۲۰۱۴ء، ص ۲۹۵-

[۱۸] -ندوی محمد حنیف، سراج البیان، القرآن، ۱۰۳: ۳، لاہور، ملک سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار، اپریل ۱۹۸۳ء، ج ۱ص ۱۴۹، ۱۴۸۔

[۱۹] -قاسمی محمد آصف، بصیرت قرآن، القرآن، ۱۳: ۴۹، کراچی، مکتبہ بصیرت قرآۃ S.T.4 بلاک نارتھ ناظم آباد، ج ۵ص ۵۲۳، ۵۲۲-

[۲۰] -عبدالرحمان کیلانی مولانا، تفسیر تیسیر القرآن، القرآن، ۸: ۵، لاہور، انٹرنیشنل دار السلام پرنٹنگ پریس، محرم الحرام ۱۴۳۲ھ، ج ۱ص ۵۱۲، ۵۱۱۔

[۲۱] -فضل الرحمٰن سید، تفسیر احسن البیان فی تفسیر القرآن، القرآن، ۵۵: ۲۴، کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء، ج ۶ص ۱۴۲، ۱۴۱-